Date of Publication: 09-03-2013

PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 10-11 March 2013
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U(C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

15-21 March 2013
Issue: 11, Vol.: 72

۱۵تا۲۱ مارچ ۲۰۱۳ء
شمارہ نمبر: ۱۱، جلد نمبر: ۷۲

ہریانہ کے وہ شعرا و اُدبا جو ۲۰۱۲ء میں ہم سے جدا ہو گئے

جو بادہ کش تھے پُرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں

مہندر پرتاپ چاند (۱۳۲۰/سیکٹر ۹، اربن اسٹیٹ، انبالہ شہر-۱۳۳۰۰۳ [ہریانہ])

صوبہ ہریانہ سے تعلق رکھنے والے مندرجہ ذیل شعرا و ادبا ۲۰۱۲ء میں ہم سے جدا ہو گئے۔ خدائے بزرگ و برتر انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

(۱) ثمر بانو ہاشمی [کرنال]

محترمہ ثمر بانو ہاشمی کی ولادت ۶ جنوری ۱۹۳۵ء کو ڈاکٹر محمد اسلم ہاشمی کے یہاں کرنال میں ہوئی تھی۔ ان کے جدِ اعلا سونی پت میں آ کر آباد ہوئے تھے اور ان کے بزرگوں نے سونی پت میں عرصے تک سکونت اختیار کی۔ ثمر صاحبہ کے والدین کرنال میں پیدا ہوئے اور ان کی والدہ مرحومہ یہیں پر ہی پیوندِ خاک ہیں۔ ان کے والد ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے جہاں پہلے ساہیوال (منٹگمری) اور پھر ملتان میں سکونت اختیار کی اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

ثمر بانو ہاشمی صاحبہ معروف ادیب اور محقق پروفیسر ہاشمی کرنالی (مرحوم) کی شریکِ حیات تھیں لیکن وہ بذاتِ خود جہاں ایک طرف اعلا تعلیم یافتہ (ایم اے فارسی اور بی ایڈ) تھیں اور اسلامیہ کالج برائے خواتین، ملتان کی پرنسپل رہ چکی تھیں، وہاں ایک معروف افسانہ و ناول نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مقبول شاعرہ بھی تھیں۔ ان کا ایک ناول 'دل کی وہی تنہائی'، ایک افسانوی مجموعہ 'اسطے دنے' اور ایک شعری مجموعہ 'معروف خواب میرے ہیں' شائع ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ ملتان ہی میں خواتین کی ایک ادبی اور بے حد فعال بزم 'حریمِ فن' کی قریب ۳۵ سال تک جنرل سکریٹری بھی رہی تھیں۔ مرحومہ کا مستقل قیام ۳۵-شالیمار کالونی، بوسن روڈ، ملتان میں تھا جہاں ۱۵ فروری ۲۰۱۲ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔ اس سے قبل ان کے شریکِ حیات ڈاکٹر ہاشمی کرنالی ۲۰ جنوری ۲۰۱۱ء کو ہی وفات پا گئے تھے۔ راقم السطور کے نام اپنے ۱۸ مارچ ۲۰۰۴ء کے کرم نامے میں ہاشمی صاحب نے تحریر فرمایا تھا: "میں ملتان میں ہوں لیکن کرنال میرے دل میں آباد ہے اور میری یادہائے ماضی میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔"

نمونۂ کلام (مرحومہ ثمر بانو ہاشمی):

فصلِ گل ہے، ہنسی کا موسم ہے
پھول کی آنکھ پھر بھی پُرنم ہے
یا نگاہوں کا بوجھ گیا ہے شعور
یا ستاروں میں روشنی کم ہے!!
ہر کڑی دھوپ چھاؤں ہے تیری
ہر غمِ زندگی ترا غم ہے
جا کے کیوں ان کی انجمن میں ثمرا
اپنی بزمِ خیال کیا کم ہے

(۲) چانپ علی پوری [سونی پت]

ڈاکٹر چانپ علی پوری کی ولادت ملی پور ضلع مظفر گڑھ (پاکستان) میں ۱۷ مارچ ۱۹۳۲ء کو ڈاکٹر آسانند خوشحال آنند کے یہاں ہوئی۔ آپ کا پیدائشی نام نونہال کرشن اور اسکول کا نام ہاتا تھا۔ تقسیمِ ملک کے وقت آپ کا خاندان علی پور سے ہجرت کر کے پہلے پانی پت میں پہنچا لیکن چند ماہ وہاں رہنے کے بعد آپ سونی پت میں آ کر مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ نے اجمیر شریف میں ایک سال تک ٹریننگ حاصل کی اور ۱۹۵۱ء میں سول اسپتال سونی پت میں بطور ہیرپتس کام شروع کیا۔ ۱۹۹۵ء میں ایڈمنسٹریٹو آفیسر کے عہدے سے ریٹائر ہو کر روہنی (دہلی) میں آ گئے جہاں آپ اپنی ادبی مصروفیات کے ساتھ ساتھ 'آنند میموریل فری ہومیو کلینک' بھی چلا رہے تھے۔

اسکول کی تعلیم کے دوران ہی آپ نے شعر کہنا شروع کر دیا تھا اور جناب منوہر لال شہید کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے سیدِ رام داس فلک، رئیس نیازی اور تاؔز سونی پتی صاحبان سے بھی استفادہ کیا۔ چانپ صاحب ہندی اور اردو کی تقریباً ایک درجن کتابوں کے مصنف تھے جن میں 'سفینہ اور لہریں'، 'زاش و رنگ' اور 'بچوں کا گلدستہ' قابلِ ذکر ہیں۔ آخرالذکر دونوں کتابیں ہریانہ اردو اکادمی نے شائع کی تھیں۔ اکادمی ہذا نے انھیں ۱۹۹۳ء میں 'محبوب الخلائق ایوارڈ' برائے سال ۹۲-۱۹۹۱ء سے بھی سرفراز کیا تھا۔ آپ نے سونی پت اور پھر روہنی (دہلی) میں بھی ادبی تنظیموں کی بنیاد ڈالی اور سونی پت سے شائع ہونے والے جریدے 'اشوک چکر' (ہندی و اردو) کے مدیرِ معاون بھی رہے۔ شعر گوئی کے علاوہ آپ افسانے اور مضامین بھی لکھتے تھے۔ ۱۲ اپریل ۲۰۱۲ء کو آپ نے دہلی ہی میں وفات پائی۔

نمونۂ کلام: تضمین بر شعر خواجہ میر درد:

دوسروں کے واسطے قربان کریں گے جان کو
جان ہے کیا شے، لٹا سکتے ہیں ہم ایمان کو
ہم بھلا سکتے نہیں قدرت کے اس احسان کو
"درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں"

(۳) ولاؔ نقوی [فریدآباد]

ولاؔ نقوی (سید ولاء الحسنین) کی ولادت ۱۰ فروری ۱۹۳۱ء کو سید سجاد الحسنین کے یہاں امروہہ (یوپی) میں ہوئی تھی۔ آپ کے والدِ محترم ضلع کے مشہور وکیل اور میونسپل بورڈ امروہہ کے چیئرمین تھے۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم امام المدارس انٹر کالج میں حاصل کی اور پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے الیکٹریکل انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کر کے ملازمت میں آ گئے۔ آپ مرکزی سرکار کے سنٹرل الیکٹریسٹی اتھارٹی، منسٹری آف پاور سے بطور ڈائرکٹر ریٹائر ہونے کے بعد ۱۹۶۶ء میں فریدآباد آ گئے تھے جہاں قریب ۳۵ برس تک آپ کا مستقل قیام رہا۔ فریدآباد کے ادبی ماحول نے ان کے شعری ذوق کو جلا دی اور انھوں نے وہاں کے ہم زبان اور ہم ذوق حضرات کو یکجا کر کے ادبی سنگم نام کی تنظیم کی بنا ڈالی اور کئی برس تک اس کے سکریٹری بھی رہے۔ غزل آپ کی محبوب صنفِ سخن تھی۔ آپ کلاسکی رنگ کے شعر کہتے تھے جن میں جدت کی چاشنی بھی ملتی ہے۔ فریدآباد کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں آپ ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ ۱۰ اکتوبر ۲۰۱۲ء کو آپ نے یہیں پر ہی وفات پائی۔ نمونۂ کلام:

مضطرب ہو ذہن آدم اس طرف بھی سوچیے
دل کے تاروں میں کھٹک ہو ایسا چارہ کیجیے
منہدم دیوارِ الفت کی کریں تعمیر تو
جس پہ بھر روشن ہوں بجھتی آرزوؤں کے دیے
میرے دامن کا یہ حصہ ایک دن پھٹ جائے گا
آستیں پر آپ کی جو خوں لگا ہے، پوچھیے
ظلم و استبداد کا بڑھ کر گلہ بھی چھوڑ دیں
چھوڑ دیں غفلت اٹھیں جاگیں، بہت ہم سو لیے

(۴) شانتی سروپ شانؔ (بجنور)

جناب شانتی سروپ شانؔ کی ولادت ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ء کو بٹھیالہ ضلع برنالہ (پنجاب) میں جناب چودھری رام ملا کے یہاں ہوئی تھی۔ آپ نے ۱۹۴۳ء میں ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۴۷ء میں بی اے کی سند حاصل کی۔ درس و تعلیم کے سلسلے میں آپ شری جنیندر گوروکل پنچکولہ اور ضلع مہیندر گڑھ کے اسکولوں میں رہے جہاں آپ کھیل کود اور ثقافتی پروگراموں کے بھی انچارج تھے۔

بالآخر آپ رجسٹرار مرشد تعلیم، ہریانہ کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ خدمت خلق اور مفت تعلیم و تدریس اطفال و بالغاں آپ کا مسلک رہا۔ شعر کہنے کی تحریک انھیں اپنے والد ماجد سے ملی۔ شعر گوئی کے علاوہ آپ نثر بھی لکھتے تھے۔ ان کے زیادہ تر اشعار اخلاقیات، روحانیت اور معرفت پر مبنی ہیں۔ ان کے تقریباً نصف درجن شعری مجموعے ان کی حیات میں شائع ہو چکے تھے جن میں 'رموزِ حیات' (مجموعۂ قطعات) اور 'نورِ معرفت' (غزلیں، نظمیں، قصیدہ وغیرہ)۔ یہ دوسری کتاب ہریانہ اردو اکادمی کے مالی تعاون سے شائع کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ دو درجنوں دھارمک کتابیں اور کتابچے دیوناگری میں بھی شائع کروا چکے تھے اور انھیں وہ مفت تقسیم کرتے رہتے تھے۔ ۱۸ مارچ ۲۰۰۶ء کو ان کی بے لوث ادبی اور اخلاقی خدمات کے لیے انھیں ہریانہ اردو اکادمی کی طرف سے خلعت اور سپاس نامے سے نوازا گیا تھا۔ ان کا مستقل قیام پنچکولہ میں تھا اور ۲۹ نومبر ۲۰۱۲ء کو یہیں پر ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

نمونۂ کلام:

عبادت ہے ناشاد کو شاد کرنا
جو برباد ہیں ان کو آباد کرنا
نماز اور پوجا، یہی بندگی ہے
دُکھی ہیں جو ان سب کی امداد کرنا
یتیموں، غریبوں، ضعیفوں کی خاطر
خداوند عالم سے فریاد کرنا
نہیں رنج و غم سے مفر، شانؔ ممکن
جہاں تک بنے سب کو دل شاد کرنا

(۵) بودھراج ظفرؔ (سونی پت)

جناب بودھراج ظفرؔ کی ولادت ۱۴ اگست ۱۹۲۷ء کو شہر سلطان پور، تحصیل علی پور، ضلع مظفر گڑھ (پاکستان) میں شری لیلا رام ٹھاکر کے ہاں ہوا۔ آپ نے مڈل تک تعلیم حاصل کی اور تقسیم وطن کے بعد ہجرت کر کے سونی پت میں آ کر آباد ہو گئے۔ شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا لیکن باقاعدہ شعر گوئی ۱۹۷۶ء سے شروع کی اور معروف شاعر اور صحافی جناب آتش بہاول پوری کے دامن فیض سے منسلک ہو گئے۔ طبیعت کا میلان تصوف اور روحانیت کی طرف تھا۔ مدتوں سے آپ سنت نرنکاری مشن سے جڑے ہوئے تھے۔ ظفرؔ صاحب نہایت ہی منکسر المزاج، نیک نفس اور پاکیزہ خیالات کے حامل تھے۔ آپ کے کلام میں بھی اخلاقیات اور روحانیت کے عناصر نمایاں ہیں۔ آپ اپنی مادری زبان سرائیکی میں بھی شعر کہتے تھے۔ 'ادبی سنگم' سونی پت کے اہم رکن تھے اور تجسم علی پوری صاحب کی وفات کے بعد آپ ان کے اخبار 'روشنی' کے مدیر اعزازی بھی رہے تھے۔ خلوص و محبت کا یہ پیکر ۲ دسمبر ۲۰۱۲ء کو سونی پت ہی میں غریق رحمت ہو گیا۔

نمونۂ کلام:

کٹ رہے ہیں زیست کے ایام ہنستے بولتے
ہو رہے ہیں یعنی سارے کام ہنستے بولتے
مرشد کامل کے صدقے، یہ ہے میری التجا
یا خدا! اس زیست کی ہو شام ہنستے بولتے
تیرے الطاف و نوازش کا ہے یہ سب معجزہ
بن گئی ہے زندگی انعام ہنستے بولتے
آ گئے تھے جس کام کی خاطر زمانے میں ظفرؔ
کر لیا پورا وہ ہم نے کام ہنستے بولتے

◆◆◆

مضمون نگاروں سے درخواست

'ہماری زبان' کے مضمون نگاروں سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مضمون صاف اور خوش خط تحریر کر کے ارسال فرمائیں۔

بعض حضرات مضمون کی زیروکس کاپی یا اپنے مطبوعہ مضامین بھیج دیتے ہیں، اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ ہمارے لیے ایسے مضامین شائع کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایسے مضامین ضائع کر دیے جاتے ہیں۔

(ادارہ)

'صولتِ شیر شاہی' - ایک تعارف

ٹیبنی امریش (سیکٹر D، باغ امراؤ دولہا، بھوپال-۴۶۲۰۰۱)

سید احمد مرتضیٰ نظرؔ (۱۳۶۱ھ - ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۹۴۲ - ۱۸۷۸ء) کا آبائی وطن نصیر آباد (یوپی) تھا۔ لوٹک میں پیدا ہوئے اور سرونج میں قیام عمر بسر کی۔ سید احمد مرتضیٰ نظرؔ نے شعور کی منزلیں اس وقت طے کیں جب اردو کے عناصر خمسہ یعنی سر سید، حالیؔ، نذیر احمد اور شبلی نے نہ صرف اردو دنیا میں بلکہ ہندوستانی سماج میں ایک بڑا انقلاب برپا کر دیا تھا اور ان کے بعد آنے والی نسل ان جذبوں سے سرشار تھی جو مسلمانوں کی ترقی اور فلاح بہبود، تعلیم و تربیت اور ملک کی خدمات کے لیے وقف ہے۔ سید احمد مرتضیٰ نظرؔ شبلی سے بہت متاثر تھے۔ نہ صرف یہ کہ ان کے اسلوب کے شیدا تھے بلکہ سماجی اعتبار سے بھی وہ وہی خواب دیکھ رہے تھے جن کی تعبیر ندوہ کی صورت میں شبلی نے ڈھونڈ لی تھی۔ چنانچہ سرونج کے ریاض المدارس کے قیام کا سلسلہ بھی شبلی کی پیروی کی ایک مثال ہے۔ سید احمد مرتضیٰ نظرؔ اور مولانا شبلی کے درمیان مراسلت بھی تھی۔ 'مکاتیبِ شبلی' میں کچھ خط ان کے نام محفوظ ہیں۔

مولانا شبلی نے فنِ سیرت نگاری اور سوانح نگاری میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اس سے زمانہ واقف ہے۔ ان کے ہیرو تاریخ اسلام سے تعلق رکھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کا تاریخ میں ایک خاص مقام ہے اور جن کی سیرت و کردار کا مطالعہ آنے والی نسلوں کے لیے جینے کی راہیں طے کرتا ہے۔ سید احمد مرتضیٰ نظرؔ کے پیش نظر تاریخ کی ایک ایسی شخصیت تھی جس نے بہت کم وقت میں اپنی اولوالعزمی، بہادری، دین داری، سچائی اور سخاوت سے ملکی انتظامات میں وہ تبدیلیاں کیں کہ بہت تھوڑے ہی عرصے میں ہندوستان جگمگا اٹھا۔ اس کی سوانح اور کارناموں کو ضبطِ تحریر میں لانا کوئی آسان بات نہیں تھی لیکن یہ کارنامہ سید احمد مرتضیٰ نظرؔ کی قسمت میں قدرت نے تحریر کر دیا۔

اب تک شیر شاہ سوری پر اردو میں کوئی وقیع کام نہیں ہوا تھا لیکن سید احمد مرتضیٰ نظرؔ نے اس کام کو اس طرح انجام دیا کہ یہ اردو میں اپنے آپ میں ایک مثال بن گیا۔ سید احمد مرتضیٰ نظرؔ نے اگرچہ اپنی معرکۃ الآرا کتاب 'آثارِ مالوہ' کو مکمل کر لیا تھا اور اس کی اشاعت کی تکمیل میں مصروف تھے کہ اتفاق سے انہی دنوں مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کی فرمائش پر انھوں نے 'صولتِ شیر شاہی' کو تصنیف کیا اور اس کا مسودہ انھیں بھجوا دیا، چنانچہ یہ کتاب چند ہی دنوں میں شائع بھی ہو گئی۔

'صولتِ شیر شاہی' کے بارے میں ڈاکٹر شان فخری لکھتے ہیں:

''صولتِ شیر شاہی حالاں کہ نظرؔ مرحوم کی دوسری تصنیف ہے لیکن بعض حالات کی بنا پر وہ طبع ہو کر پہلے منظر عام پر آ گئی۔ 'صولتِ شیر شاہی' ہندوستان کے مشہور افغان فرماں روا اور اپنے وقت کے انتہائی اولوالعزم اور بیدار حکمراں سلطان شیر شاہ سوری کی حیات اور کارناموں پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب ۱۲۷ صفحات پر مشتمل ہے، سائز ۲۹x۲۲/۸، ابتدائی ۸ صفحات میں تقریظ اور فہرست مضامین ہیں، ۷ صفحات پر مشتمل دیباچہ ہے۔ اصل کتاب ۱۰۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اختتام پر ۶ صفحات میں کانفرنس بک ڈپو علی گڑھ کی مطبوعات کی فہرست ہے۔ یہ کتاب ۱۹۳۳ء میں شعبۂ تالیف و اشاعت آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کے زیر اہتمام زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی''۔

ڈاکٹر شان فخری کا یہ خیال درست نہیں کہ 'صولتِ شیر شاہی' ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی بلکہ یہ کتاب ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی اور ۱۹۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

چوں کہ کتاب کا مسودہ ۱۱ مئی ۱۹۳۳ء کو تیار ہو چکا تھا اس لیے ڈاکٹر شان فخری کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے اس کے علاوہ کتاب کا نام 'صولتِ شیر شاہی' بھی تاریخی ہے۔ ۱۳۵۲ھ کے اعداد اس سے برآمد ہوتے ہیں۔ ۱۳۵۲ھ کا یہ آغاز تھا جب مسودہ تیار ہوا ہے لیکن ۱۳۵۲ھ میں ہی جب کہ انگریزی سال ۱۹۳۴ء لگ چکا تھا 'صولتِ شیر شاہی' منظر عام پر آئی۔

'صولتِ شیر شاہی' سید احمد مرتضیٰ نظرؔ کی اگرچہ تاریخی کتاب ہے لیکن یہ شیر شاہ سوری کی سوانح عمری ہے، اس

لیے اسے سیرت نگاری یا سوانح عمری کے ماتحت رکھا جانا چاہیے۔ 'صولت شیر شاہی' سے ۱۳۵۲ھ کے تاریخی اعداد برآمد ہوتے ہیں اور یہ کتاب نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کی فرمائش پر تحریر کی گئی تھی۔ یہ کتاب ۱۹۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ صفحہ ۱۵۷ تا ۱۶۰ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے شعبۂ تالیف کے اشاعت پروگرام کا خیر نامہ ہے۔

ابتدائی صفحات میں اس کتاب کا تعارف سروجنی کے ناسب ناظم محمد مسعود ذکی نے تحریر کیا ہے۔ یہ تبصرہ و تعارف ۱۵ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۳ء کو تحریر کیا تھا اور خود مصنف کا دیباچہ اس کتاب میں شامل ہے اس پر بھی ۱۵ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۳۳ء درج ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ 'صولت شیر شاہی' کا مسودہ مئی ۱۹۳۳ء تک اشاعت کے لیے تیار ہو چکا تھا۔

محمد مسعود ذکی کے بقول:

"فاضل ترین مؤلف نے اپنے قلم صداقت نگار سے شیر شاہ سوری کی سیرت کی اصلی تصویر کھینچی"۔

محمد مسعود ذکی نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ سید احمد مرتضیٰ نظر سے پہلے اردو میں شیر شاہ سوری کی سیرت اور سوانح کے متعلق کوئی 'جامع لائف' نہیں لکھی گئی اور اس بات کو بھی انھوں نے واضح کیا ہے کہ شیر شاہ سوری کے بارے میں اب تک جو مواد ملتا ہے وہ ناعاقبت اندیش مصنفین و متعصب مورخین کے قلم کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ شیر شاہ کو جو مقام و مرتبہ تاریخ میں ملنا چاہیے وہ نہیں مل سکا تھا۔ نظر کی اس تصنیف نے اس ناانصافی کو دور کیا ہے۔ ان کے بقول:

"سید احمد مرتضیٰ نظر تاریخ دانی، علمی قابلیت اور حسن اخلاق کے اعتبار سے ایک ذی وقار ہستی ہیں"۔

صفحہ ۶ سے ۸ تک فہرست مضامین ہے۔ اس فہرست پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ 'صولت شیر شاہی' سات ابواب پر مشتمل ہے۔ دیباچہ ان ابواب کے علاوہ ہے جس پر ہم آگے چل کر نظر ڈالیں گے۔

کتاب کا پہلا باب بادشاہ شیر شاہ سوری کی پیدائش، خاندان اور ان کے ابتدائی حالات سے متعلق ہے۔

دوسرا باب شیر شاہ کی زندگی کے اس حصے سے متعلق ہے جس میں انھوں نے اپنی عملی زندگی کے لیے جد و جہد کی اور ملازمت کے سلسلے میں سر گرداں رہے یہاں تک کہ بابر کے لشکر میں وہ شامل ہوئے اور پھر ان کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا، جس کی تفصیل تیسرے باب میں مختلف ذیلی عنوانات کے تحت دی گئی ہے۔

چوتھا باب شیر شاہ کے عروج کی داستان بیان کرتا ہے، اس کی تخت نشینی ہمایوں کی شکست اور اس کی حکمرانی کے دور میں جو اصلاحات ہوئی تھیں ان سب کی داستان اس باب میں پوشیدہ ہے۔ ان کی وفات کا ذکر بھی اسی باب میں ہے۔

پانچویں باب میں شیر شاہ سوری کی علمی لیاقت پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کی وجہ سے ہندستان کی تاریخ میں شیر شاہ سوری کا نام ابھی زندہ اور تابندہ ہے۔

چھٹا باب شیر شاہ کی سیرت سے متعلق ہے اور یہی وہ باب ہے جس کی وجہ سے 'صولت شیر شاہی' کا شمار اردو کی کامیاب سوانح عمریوں میں کیا جاتا ہے۔

ساتویں باب کو صولت شیر شاہی کے مصنف سید احمد مرتضیٰ نظر کی تنقیدی بصیرت اور تاریخ کے گہرے مطالعے کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔ اس میں انھوں نے مورخین کے اعتراضات کو دلائل کے ساتھ رد کیا ہے اور حقیقت و صداقت کا ثبوت دیا ہے۔

'صولت شیر شاہی' میں ایک ضمیمہ بھی شامل ہے جو صفحہ ۱۶۰ سے ۱۶۷ تک ہے جس میں آل سور کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔

اپنے دیباچے میں مصنف نے 'صولت شیر شاہی' کی تصنیف کی ایک وجہ یہ بھی بتائی کہ تاریخ 'آثار مالوہ' کے تکمیل کے وقت انھیں احساس ہوا کہ دراصل سلطان شیر شاہ سوری "جامع اوصاف ہستی کا ایک بے مثل فرماں روا ہے" پھر یہ بھی کہ اردو میں سلطان شیر شاہ سوری کے سلسلے میں کوئی مستند تاریخ نہیں تھی۔ مورخ کی حیثیت سے سیرت نگاری کا کام آسان بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ تاریخ کے جھروکوں سے کسی شخص کے عادات و خصائل، طریقۂ حکومت اور نظام سلطنت کا اندازہ کرنا اور اس سے بار بار یک نکات کو تلاش کرنا آسان بات نہیں ہے۔ یہ بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ ذرے کو آفتاب اور آفتاب کو ذرہ بنانے کے جرم سے بچنا ہی سیرت نگاری کے لیے مفید ہے۔ اس لیے ایسی صورت میں اعتدال پسندی سے کام لینا اور ضروری ہو جاتا ہے۔ واقعات کو قلم بند کرتے وقت سید احمد مرتضیٰ نظر نے مستند تاریخوں جیسے تاریخ داؤدی، فرشتہ، منتخب التواریخ، مارشمین کی ہسٹری آف انڈیا، طبقات اکبری، اکبر نامہ، سلاطین افغانیہ اور بالخصوص عباس خاں شیروانی کی تاریخ شیر شاہی جو اکبری عہد میں لکھی گئی تھی، سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا ہے۔ لیکن مصنف 'صولت شیر شاہی' نے حق و باطل میں امتیاز قائم کیا ہے اور واقعات کو تنقید کی کسوٹی پر رکھ کر ہی ان پر تبصرہ کیا ہے۔

راقم السطور نے سرقانون گو کی کتاب 'شیر شاہ اور اس کا عہد' کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ تقریباً سات سو صفحات پر پھیلی یہ کتاب شیر شاہ کے بارے میں یقیناً وسیع معلومات بہم پہنچاتی ہے اور اس کی اولوالعزمیوں کی داستان کو بے کم و کاست بیان کرتی ہے۔ تاہم کتاب کا تقریباً ہر صفحہ شیر شاہ کے جنگی کارناموں سے بھرا ہوا ہے۔ یقیناً اگر شیر شاہ اور اس کی فوج میدان کارزار میں نہ اترتی تو شیر شاہ سوری کو تاریخ کیوں یاد رکھی جاتی؟ لیکن شیر شاہ کے جنگی کارنامے ہی تو اس کی حیات دو روزہ کا مقصد نہیں تھے۔ اس کا مقصد حیات تو تمام زندگی کے سود و زیاں کے حوالے سے اور نظام سلطنت کے وسیلے سے رعایا اور عوام کی بہتری کے اسباب کی تلاش کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ اس مقصد حیات کو ہم اس کی سیرت اور اس کی سوانح کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی جان سکتے ہیں۔ پس سید احمد مرتضیٰ نظر کی تحریر کردہ شیر شاہ سوری کی سوانح حیات 'صولت شیر شاہی' نہ صرف اس کے بعید کارناموں کا احوال ہے بلکہ اس کی سیرت کے ان منتخب اور روشن پہلوؤں کا اشاریہ بھی ہے، جن کے باعث شیر شاہ سوری کا نام اگرچہ بہت کم عرصے کے لیے ہندستان کے حکمرانوں کی فہرست میں شامل ہو سکا لیکن وہ کامیابی اور کامرانی میں ہمیشہ کے لیے صف اول کا دور اندیش حکمراں تسلیم کیا گیا۔

سید احمد مرتضیٰ نظر شبلی نعمانی کی زبان دانی سے خاصے متاثر تھے، اس لیے وہ اپنے طرز بیان اور طرز تحریر میں محاورے، مضامین اور زبان کی ادبی غلطیوں سے بچنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

سید احمد مرتضیٰ نظر کے اسلوب کی یہ خوبی ہے کہ ان کے قلم سے کوئی جملہ ایسا ادا نہیں ہوا کہ جسے ادب کے دائرے سے خارج کیا جائے، مثلاً:

"حصول جہاں بانی کے سلسلے میں سیاست ایک ایسا تازیانہ ہے کہ جس کے ذریعے سے ملازم اور رعایا کو قانون و احکام شاہی کی پابندی کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے اور یہ ایک تریاق ایسا ہے جس سے مظالم کے زہریلے اثرات کا زائل کرنا ممکن ہے جہاں سیاست نہیں وہاں کی حکومت معطل بلکہ مردہ جاننا چاہیے"۔[6]

سید احمد مرتضیٰ نظر کا اسلوب نہایت پختہ اور بہتے دریا کی مانند رواں دواں ہے، نہ تو ثقالت ہی ہے اور نہ ہی الفاظ کی گراں باری۔ طرز تحریر میں بلا کا اثر اور ادبی حسن موجود ہے۔ تاہم یہ خوبیت ان کے موضوعات پر پردہ ڈالنے کے بجائے حق کی بازیابی کا ذریعہ بنتی ہے۔ یہ خوبی بہت ہی کم سیرت نگاروں اور تاریخ دانوں میں پائی جاتی ہے۔

سلطان شیر شاہ کی سیرت نگاری کی طرف مصنف کی توجہ کا مبذول ہونا درج ذیل وجوہ کی بنا پر تھا، جو انھوں نے اپنی اس تصنیف کے دیباچے میں تحریر کی ہیں:

"بعض مورخین تیموریہ نے اپنے آقاؤں کی خوشامد میں ایسے اقبال مند، منتظم اور انصاف پسند سلطان پر جس کا نظام حکومت نہایت شاندار گزرا ہے، طرح طرح کے الزامات لگائے ہیں۔ اعتراضات کیے ہیں۔ خفیف لغزشوں کو شدید افعال اور روشن کارناموں کو سیاہ اعمال ناموں میں تبدیل کر کے دکھلایا ہے"۔[7]

آگے لکھتے ہیں:

"اردو میں کوئی مستقل تصنیف اس وقت تک سلطان شیر شاہ کی میری نظر سے نہیں گزری۔ بعض تاریخی کتابوں میں البتہ ضمناً تذکرہ آ گیا ہے۔ میں نے اس کمی کا احساس کرتے ہوئے ارادہ کیا کہ سلطان شیر شاہ کی ایک ایسی مفصل سیرت لکھ کر ناظرین کے سامنے پیش کروں جس کے دیکھنے سے اس کا صحیح مرقع سامنے آ جائے"۔[8]

لہٰذا تاریخ نگاری کا ذوق دل کو بے چین کیے ہوئے تھا۔ دوسرے تاریخی حقیقتوں پر جو مجاز کے پردے ڈالے گئے تھے ان کو فاش کرنے کی شدید آرزو کے سبب انھوں نے فارسی کی مختلف تاریخی کتابوں کو پڑھ کر ان سے اقتباسات جمع کیے اور کتاب کی ترتیب کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ لیکن مصروفیات کی بنا پر تقریباً چار سال تک اس سلسلے میں مزید کوئی کام نہیں ہو سکا۔ بالآخر دو مخلص ہستیوں کے اصرار پر دوبارہ اس طرف متوجہ ہوئے اور دس ماہ کی مسلسل کوششوں کے بعد منزل مقصود تک رسائی ہو گئی۔

سید احمد مرتضیٰ نظر نے سیرت نگاری کے تمام اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ تاریخی واقعات کی تہہ تک پہنچ کر اصلیت کا پتا لگانے کے لیے انھوں نے 'صولت شیر شاہی' کی تدوین کے وقت متعدد کتب کا مطالعہ کر کے واقعات کی تحقیق کی ہے۔ ان کتابوں میں تاریخ شیر شاہی، تاریخ خازن، افغان، تاریخ داؤدی، فرشتہ، منتخب التواریخ، ہسٹری آف انڈیا، طبقات اکبری، اکبر نامہ، سلاطین افغانیہ اہم ہیں۔ مصنف کے بقول:

"تاریخ شیر شاہی چوں کہ اکبر کے عہد میں لکھی گئی ہے اس لیے جزئیات کی تفصیل کثرت سے درج ہے۔ اسی کتاب کو میری کتاب کا اصل ماخذ سمجھنا چاہیے"۔[9]

سید احمد مرتضیٰ نظر کا یہ خیال محض خاکساری کی بنا پر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ 'صولت شیر شاہی' میں جس جانفشانی کا ثبوت انھوں نے دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ شیر شاہ کی سیرت و تاریخ کے سلسلے میں اتنی عمدہ کتاب اردو میں شاید اب تک نہیں ہے۔

حوالہ جات:

1. سروجنی کی ادبی خدمات از ڈاکٹر شان فخری (۱۹۹۹ء) ص ۲۰۵–۲۰۲
2. سوانح عرف از ڈاکٹر ممتاز فاخرہ (۲۰۱۱ء)، ص ۳۶۱
3. ایضاً
4. صولت شیر شاہی تذکرہ و تعارف محمد مسعود ذکی، ص ۲
5. ایضاً
6. صولت شیر شاہی، سید احمد مرتضیٰ نظر، ص ۹۶
7. مقدمہ صولت شیر شاہی، ص ۲
8. ایضاً
9. آثار مالوہ، ص ۳۷۲۔

○○○

اردو دُنیا

بہار میں 24 ہزار پرائمری اردو ٹیچروں کی بحالی ہوگی

پٹنہ (۲۳ فروری)۔ 24 ہزار اردو ٹیچروں کی بحالی کے لیے جلد ہی خصوصی اہلیتی ٹسٹ (ایس ٹی ای ٹی) ہوگا۔ ایک رپورٹ کے مطابق یہ ٹسٹ ۱۵ جون سے ۱۵ جولائی کے درمیان ہوگا۔ ایک دوسری رپورٹ میں وزیر تعلیم کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ امید ہے کہ مئی ماہ تک خصوصی اہلیتی ٹسٹ ہوگا۔

وزیر تعلیم پی کے شاہی نے کہا کہ یہ بحالی پرائمری سطح کے اسکولوں کے لیے ہوگی اور اس امتحان میں وہ امیدوار بھی شریک ہوں گے جو ٹرینڈ نہیں ہیں کیوں کہ سپریم کورٹ نے اس معاملے میں رعایت دے رکھی ہے۔ خصوصی اہلیتی ٹسٹ [illegible] ہیں جنھوں نے 91 نمبر [illegible] اردو سبجیکٹ پڑھا ہو۔ پہلے ٹی ای ٹی میں ۱۵۰ میں سے 100 نمبر کے اردو سبجیکٹ کو لازمی قرار دیا گیا تھا لیکن خصوصی ٹی ای ٹی میں اس میں چھوٹ دی جائے گی۔ محکمہ تعلیم کے ترجمان نے بتایا کہ ریاست کے 70 ہزار پرائمری اسکولوں میں کم سے کم ایک اردو ٹیچر ہوگا۔ فی الحال 27 ہزار اردو ٹیچروں کے عہدے ہیں۔ ٹی ای ٹی میں تقریباً تین ہزار اردو ٹیچر پاس ہوئے ہیں۔ اس کے بعد 24 ہزار سیٹیں خالی رہ جاتی ہیں۔ ان سیٹوں کے لیے خصوصی ٹی ای ٹی کی تاریخ کا اعلان کردیا جائے گا۔ وزیر تعلیم شاہی نے بتایا کہ انٹرمیڈیٹ سطح کے اسکولوں میں مجموعی طور پر 92 ہزار عہدوں پر بحالی کی منظوری دی گئی ہے۔ اس سال 52 ہزار ٹیچروں کی بحالی ہوگی، بقیہ ٹیچروں کی بحالی بعد میں مرحلہ وار ہوگی۔ پی کے شاہی نے جامعہ اردو کے ٹرینڈ ٹیچروں کو بتائے جانے کے سوال کے جواب میں کہا کہ ریاستی حکومت تو چاہتی ہے کہ جامعہ اردو علی گڑھ کے ٹرینڈ کو بھی دیگر سرکاری و پرائیویٹ ٹیچر ٹریننگ کے تربیت یافتگان کی طرح ہی بحالی کے [illegible] لیکن سپریم کورٹ نے اس سلسلے میں کوئی [illegible] نہیں دی ہے۔ سپریم کورٹ نے کہا ہے کہ ۱۸ اگست ۱۹۹۵ء سے لے کر ۱۹۹۷ء تک جن امیدواروں نے جامعہ اردو سے سند حاصل کی ہے ان کو بحال رکھا جا سکتا ہے۔ جامعہ اردو سے ٹرینڈ امیدواروں نے سپریم کورٹ میں رٹ دائر کی ہے جس کی سماعت ۲۵ فروری کو ہوگی۔ اب دیکھنا ہے کہ سپریم کورٹ میں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

(آزاد ہند، کلکتہ)

اردو اسکولوں کے تعلق سے طلب کردہ میٹنگ میں وزیر تعلیم ہی غیر حاضر

نئی دہلی (۲۱ فروری)۔ دہلی کے سرکاری اسکولوں میں اردو سبجیکٹ اور اردو میڈیم کے اساتذہ کی تقرری اور اردو کے مسائل کو حل کرنے کے تعلق سے دہلی سرکار کس قدر سنجیدہ ہے اس کا ثبوت آج اس وقت مل گیا جب اس سلسلے میں ہونے والی انتہائی اہم میٹنگ میں دہلی کی وزیر تعلیم پروفیسر کرن والیہ اور دہلی کے ایجوکیشن ڈائرکٹر امت سنگلا غیر حاضر رہے۔ میٹنگ میں افسران نے خانہ پوری کردی اور اپنے مسائل لے کر آئے اردو میڈیم اسکولوں کے پرنسپل مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ دہلی کی وزیر تعلیم کے ایما پر آج دوپہر ڈیڑھ بجے اردو میڈیم اسکولوں کے مسائل پر غور و فکر کے لیے سکریٹریٹ واقع وزارت تعلیم میں ایک ہنگامی میٹنگ طلب کی گئی تھی لیکن آخری وقت تک وزیر تعلیم پروفیسر کرن والیہ ہی میٹنگ میں نہیں آسکیں۔ اتنا ہی نہیں ایجوکیشن ڈائرکٹر نے بھی آنے کی زحمت نہیں کی۔ میٹنگ میں سکریٹری ایجوکیشن، ایڈیشنل سکریٹری ایجوکیشن، سکریٹری اردو اکادمی اور وزیر تعلیم کے سکریٹری دیپک ورمانی کے علاوہ 17 اردو میڈیم کے سینئر سیکنڈری اسکولوں کے پرنسپل صاحبان نے شرکت کی۔ میٹنگ کے آغاز میں اردو اکادمی کے سکریٹری انیس اعظمی نے اردو کے معروف دانشور اور ادیب ڈاکٹر تنویر احمد علوی کے انتقال پر انہیں تعزیت پیش کرتے ہوئے دو منٹ خاموش کھڑے ہو کر ان کی مغفرت کے لیے دعا کی۔ اس کے بعد میٹنگ میں موجود پرنسپلوں نے اپنے اسکولوں میں درپیش مشکلات بیان کیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ چوں کہ اس میٹنگ میں وزیر تعلیم شرکت نہیں کر پائی ہیں اس لیے جلد ہی ایک اور میٹنگ کی جائے گی۔ پروفیسر والیہ کے سکریٹری دیپک ورمانی نے اس موقع پر اطلاع دی کہ وزیر تعلیم نے دہلی اسٹاف سلیکشن بورڈ کو یہ ہدایات جاری کردی ہیں کہ آئندہ جب بھی اردو اساتذہ سے متعلق اسامیوں کا اشتہار جاری کیا جائے تو وہ اشتہار اردو اخبارات میں ضرور دیا جائے تاکہ متعلقہ افراد تک یہ اطلاع پہنچ سکے۔ کل ملا کر میٹنگ میں ایسا کچھ بھی نہیں ہوا جس سے اردو میڈیم اسکولوں کے مسائل حل ہو سکیں۔ ظاہر ہے کہ اردو والوں کو ایک بار پھر صرف وعدوں کے جال میں ہی الجھانے کی کوشش کی جارہی ہے اور عمل کے نام پر کچھ بھی نہیں ہو رہا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اردو اساتذہ کی تقرری کے لیے ڈی ایس ایس ایس بی نے گزشتہ سال جو تحریری امتحان لیا تھا ابھی اس کا نتیجہ تک ظاہر نہیں کیا گیا ہے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو کے بجائے دیگر مضامین پڑھانے کے لیے اردو اساتذہ کا استعمال

دھولپور، راجستھان (۲۰ فروری)۔ ضلع پریشد نے تھرڈ اور سیکنڈ گریڈ کے اردو زبان کے 16 ٹیچروں کا ستمبر ۲۰۱۲ء میں ایسے اسکولوں میں تقرری کردی جن اسکولوں میں ایک بھی اردو پڑھنے والا طالب علم موجود نہیں ہے۔ سرکار نے یہ اردو ٹیچر مقرر کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ اسے اردو پڑھنے پڑھانے سے کوئی مطلب نہیں اسے تو مسلمانوں کو تعلیم سے بے بہرہ ہی رکھنا ہے اور لوگوں کو بیوقوف بنا کر آنے والے الیکشن میں مسلم ووٹ حاصل کرنے ہیں اور مسلم بے روزگاروں کو نوکریاں دینے کا ڈھول پیٹنا ہے۔ اس راز کا پردہ فاش کرتے ہوئے مسلم وقف کمیٹی باڑی کے صدر شاہد قریشی نے راجستھان کے وزیر اعلیٰ اشوک گہلوت کو گزشتہ دنوں اس سلسلے میں ایک میمورنڈم بھی پیش کیا۔

(انقلاب، ممبئی)

جھوپوری کا پرائمری اسکول برسوں سے اردو ٹیچر سے محروم

نئی دہلی (۲۲ فروری)۔ مشرقی دہلی گھونڈلی وارڈ کے جھوپوری پرائمری اسکول میں گزشتہ دس بارہ سال سے اردو ٹیچر نہیں ہیں۔ اس اسکول میں رشید مارکیٹ، شاہی مسجد، غنیش پارک، جھوپوری، سلور پارک کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، جس میں تقریباً ۵۰ فیصدی اردو پڑھنے والے بچے ہیں، لیکن محکمۂ تعلیم کی لاپروائی سے اردو پڑھنے والے بچوں کا مستقبل تاریک ہورہا ہے۔ الفلاح ایجوکیشن سوسائٹی کے جنرل سکریٹری قاری محسن نے بتایا کہ جھوپوری پرائمری اسکول میں گزشتہ دس بارہ سال سے اردو استاد نہیں جب کہ یہاں پر پنجابی پڑھانے والے استاد موجود ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ الفلاح ایجوکیشن سوسائٹی اور انجمن آواز اردو کے نیاض احمد قادری اور بھارتیہ ایکتا کمیٹی کے چیئرمین اخلاق احمد نے علاقے کے ایم ایل اے اور اسکول پرنسپل کو مکتوب لکھ کر کہا ہے کہ اسکول میں اردو پڑھنے والے بچوں کی کثیر تعداد کے مدنظر علاحدہ اردو سیکشن کھولا جائے۔ اس کے لیے اردو استاد دونوں تنظیمیں مہیا کرادیں گی لیکن ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا ہے۔ قاری محسن نے کہا کہ ہم پنجابی زبان کے خلاف نہیں لیکن اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی دہلی کارپوریشن کا محکمہ تعلیم اردو پڑھنے والے بچوں کے مستقبل سے جان بوجھ کر کھلواڑ کررہا ہے۔ سماجی کارکن حسینہ بیگم نے کہا کہ اسکول کا کوئی نظم و نسق بھی نہیں ہے۔ اس اسکول میں غیر سماجی عناصر اور نوعمر بچے کھلے عام جوا کھیلتے ہیں۔ یہ گارڈ کو ڈرا دھمکا کر اسکول میں داخل ہوجاتے ہیں اور آرام سے جوا کھیلتے ہیں جس کا برا اثر بچوں پر پڑ رہا ہے۔ ایک طرف کارپوریشن جھوپوری پرائمری اسکول میں اردو استاد نہیں مہیا کرا پا رہی ہے تو دوسری طرف غلط عناصر اسکول کے ماحول کو خراب کرنے پر آمادہ ہیں۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اردو مترجم کم جونیئر کلرک کی خالی اسامیوں کو پُر کیے جانے کا مطالبہ

الٰہ آباد (۲۳ فروری)۔ اردو مترجم کم جونیئر کلرک کی خالی اسامیوں کو پُر کیے جانے سے متعلق حکم نامے پر اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن نے اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے کہ سابقہ بی ایس پی حکومت نے ۲۰۰۶ء میں حکم نامہ جاری کرکے خالی اردو مترجمین کی اسامیوں کو بھرے جانے کی ہدایت دی تھی مگر ایک بھی اعلیٰ افسر نے اس پر عمل نہیں کیا کیوں کہ تمام حکام یہ سمجھتے ہیں کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے اور اردو ٹرانسلیٹر کی تقرری سے مسلمانوں کا بھلا ہوگا، لیکن اترپردیش حکومت کے آئی اے ایس افسران یہ نہیں سوچتے کہ سرکاری زبان کے قانون کا نفاذ کیسے ہوگا۔ اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن نے ایس پی حکومت پر الزام عائد کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ دو طبقوں کے درمیان تفریق و امتیاز پیدا کررہی ہے کیوں کہ سرکاری محکموں کے کچھ دفاتر میں اردو مترجمین کی اسامیاں منظور تو کی گئی ہیں مگر تمام سرکاری محکموں میں اردو مترجم کم جونیئر کلرک کی پوسٹ منظور ہی نہیں کی گئی ہے، جیسے اترپردیش کے تمام میونسپل کارپوریشن، پریشد کے دفاتر، بجلی محکمہ اور اردو بورڈ آفس وغیرہ کے علاقائی دفتروں میں اردو ٹرانسلیٹر کی تقرری نہیں کی گئی تو کیا ایسے میں قانون اردو بحیثیت آفیشیل لینگویج (امنڈمنٹ) ایکٹ ۱۹۸۹ء کا نفاذ ممکن ہے کیوں کہ وہاں مذکورہ پوسٹ منظور ہی نہیں کی گئی تو کیا یہ تفریق و امتیاز برتنے کے مترادف نہیں ہے۔ مذکورہ تنظیم کے قومی صدر محمد اختر چوڑی والا نے ایک بیان جاری کرتے ہوئے کہا ہے کہ اترپردیش کے تمام پریشد اور نگر نگم کے دفاتر میں اردو ٹرانسلیٹر کی پوسٹ منظور کی جائے۔

(انقلاب، دہلی)

اردو میڈیم کے طلبہ سے جانب داری

پرنسپلوں کی یاددہانی کے باوجود اردو میں پرچہ تیار نہیں کیا گیا

نئی دہلی (۱۹ فروری)۔ سی بی ایس ای (سینٹرل بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن) کے ذریعہ نویں اور گیارہویں جماعت کے طلبہ کے لیے ۱۶ فروری کو کرائے گئے پی ایس اے امتحان میں اردو میڈیم کے طلبہ کے لیے الگ سے اردو میں سوال نامہ تیار نہ کیے جانے پر اردو حلقے میں سخت ناراضگی کا اظہار کیا جارہا ہے اور اسے اردو میڈیم کے طلبہ کے ساتھ

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

مہاراشٹر کے اردو اسکولوں میں اساتذہ کی تقرری پر زور

ممبئی (۲۰ فروری)۔ گزشتہ دنوں ممبئی میں وزیر تعلیم راجندر درڈا اور محترمہ فوزیہ خاتون کی تحریک پر بال بھون کے ہال میں مہاراشٹر کی مختلف اردو اساتذہ تنظیموں کے ذمہ داران اور انتظامیہ سے تعلق رکھنے والے افراد کی باہمی گفتگو پر مشتمل ایک اہم میٹنگ منعقد ہوئی جس میں ریاست کے شعبہ تعلیم کے سکریٹری، نائب سکریٹری، ڈائرکٹر، ایس سی ای آر ٹی کے چیئرمین اور بڑی تعداد میں متعلقہ افسران موجود تھے۔

اس موقعے پر دونوں وزرا نے اردو اساتذہ، اردو اسکول، حق تعلیم اور دیگر مسائل پر سیر حاصل گفتگو کی جو حکومت کا ایک مثبت قدم نظر آیا۔ تعلیمی اداروں کے فیڈریشن کی جانب سے عبدالکریم سالار نے مختلف مسائل پر گفتگو کی۔ اس میٹنگ میں مہاراشٹر راجیہ اردو شکشک سنگھٹن کے سید نفیس، اکھل بھارتیہ اردو شکشک سنگھٹن کے معین صدیقی، اسحاق فاروقی، شیخ منصور، اکھل مہاراشٹر اردو شکشک سنگھٹن کے محمد حنیف، جمیل رضا اور اقرا کے جوائنٹ سکریٹری ڈاکٹر طاہر شیخ وغیرہ نے شرکت کی اور مختلف مسائل پر بات کرتے ہوئے میمورنڈم پیش کیا۔

شرکا نے مشترکہ طور پر ریاست میں اردو اساتذہ کی تقرری پر زور دیا۔ عبدالکریم سالار نے کہا کہ اگر اسی طریقے سے اردو اسکولوں میں اساتذہ کی خالی جگہ پر نہیں کی گئی تو ریاست میں سیکڑوں اسکولوں کے بند ہونے کے اندیشے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ (راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اردو مترجمین و دیگر ملازمین کا استحصال بند کیا جائے

مرادآباد (۲۵ فروری)۔ سول لائن واقع امبیڈکر پارک میں اتر پردیش راجیہ کرمچاری اردو انوواد ک ایسوسی ایشن کی جانب سے ایک میٹنگ کا انعقاد کیا گیا جس میں اردو مترجمین و دیگر ملازمین کے استحصال کو روکے جانے اور ان کی سہولیات کے مطالبات کیے گئے۔ میٹنگ کو خطاب کرتے ہوئے تنظیم کے جنرل سکریٹری مہدی حسن انصاری نے کہا کہ سرکاری محکمے میں بغیر کسی وجہ کے ملازمین کا استحصال عام ہوتا جارہا ہے جس کی بنا پر معطل تک کیا جارہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس سے متعلق تمام تر معاملات ڈی ایم کی جانکاری میں ہونی چاہیے اور تب منصفانہ قدم اٹھایا جائے اور بلاسبب ہونے والی کارروائی بند کی جائے۔ اس کے علاوہ انھوں نے کہا کہ ہر محکمے کے اردو مترجمین کو اے سی پی کا فائدہ دیا جائے۔ انھوں نے ڈی ایم مرادآباد کے ذریعے ۱۰ فروری ۲۰۱۳ء کو اردو مترجمین کی خالی جگہوں کی جانکاری دینے کے لیے بھیجے گئے خط کی بھی تعریف کی۔ ان کے علاوہ عارف حسن نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اردو مترجمین کو خدمات کے عوض ملنے والے فائدے کی معلومات نہیں ہیں جب کہ کرمچاری سنگھ اس بارے میں کافی عرض داشت بھی بھیج چکا ہے۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ اس تعلق سے جلد از جلد اقدام کیا جائے اور تمام فائدہ جو سرکاری ملازمین کو ملتے ہیں اردو مترجمین کو بھی دیے جائیں۔ انھوں نے کہا کہ اردو مترجمین کو پندرہ سالوں کی خدمات کے عوض دیے جانے والا فائدہ بھی کچھ ہی لوگوں کو ملا ہے بقیہ اس سے محروم ہی ہیں۔ میٹنگ کی صدارت تنظیم کے صدر سید اشرف رضا نے کی۔ (انقلاب۔ دہلی)

جے پور میں 'موجودہ عہد میں تصوف کی معنویت' کے موضوع پر خطبے کا انعقاد

جے پور (۱۳ فروری)۔ تصوف کی روحانی دنیا میں موجودہ زندگی کی مشکلوں کو دور کرنے اور انسان کو سکون عطا کرنے کا قیمتی نسخہ موجود ہے۔ آج انسان خود ایک شے بن کر رہ گیا ہے۔ معنوی ترقی کے اس دور میں تصوف کی بنیادی تعلیم کے سہارے انسان کامیابی سے زندگی گزار سکتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی کے ڈائرکٹر اور دہلی اردو اکادمی کے وائس چیئرمین پروفیسر اختر الواسع نے پریس کلب، جے پور کے زیر اہتمام تیسرے 'مہجور خطبہ' میں کیا۔ انھوں نے کہا کہ تصوف خدا اور بندے کے تعلق کو محسوس کرنے اور سمجھنے کا نام ہے۔ انھوں نے ہندستان کی گنگا جمنی تہذیب کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ تصوف اسی روایت کی توسیع ہے جو خدا کی تمام مخلوقات کو محبت اور اتحاد سے رہنے کا پیغام دیتی ہے۔ خطبے کی صدارت راجستھان اردو اکادمی کے چیئرمین ڈاکٹر حبیب الرحمن نیازی نے کی۔ انھوں نے تصوف کا پیغام نئی نسل تک پہنچانے پر زور دیا اور کہا کہ بھائی چارے اور محبت کے ذریعے ہی ملک کی ترقی ممکن ہے۔ آغاز میں انجمن اعظم شرنے مرحوم مجیب شرقی صوفی ادیب اور معین کہانیوں پر مشتمل کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے ان کی خدمات کا جائزہ پیش کیا۔ فاروق انجینئر نے شکریہ ادا کیا۔ نظامت کے فرائض عادل رضا منصوری نے انجام دیے۔

(ڈاکٹر فاروقی راجی)

بالی ووڈ میں اردو کو نظر انداز کیے جانے سے شبانہ اعظمی ناراض

ممبئی (۲۲ فروری)۔ بالی ووڈ اداکارہ شبانہ اعظمی ہندی فلموں میں اردو کو نظرانداز کیے جانے سے کافی ناراض ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کبھی اردو زبان کو تحفظ دینے والا ہندی سنیما اب اس سے دور ہوتا جارہا ہے۔ ممبئی میں منعقدہ ایک مشاعرے میں شرکت کے دوران شبانہ نے کہا کہ اگر آپ ۶۰ کی دہائی کے گیتوں سے آج کے گیتوں کا موازنہ کریں گے تو پہلے ہندی فلموں کے گیتوں میں اردو کا زیادہ استعمال ہوتا تھا، اب اردو کی یہ روایت دم توڑ رہی ہے جس پر مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے۔

(انقلاب۔ دہلی)

اردو زبان کے پیپر سے طلبہ کو محروم کرنے کی کوشش

نئی دہلی (۲۵ فروری)۔ مجوری، شری رام کالونی کے سروودیہ کنیا ودیالے اور گورنمنٹ سینئر سیکنڈری اسکول کے کلاس 7 اور 8 کے اردو میڈیم میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات کو سالانہ امتحان میں اردو زبان کے پرچے ہندی میں دلانے کی سازش کی جارہی ہے۔ اس سلسلے میں محمد عاقل اور سماجی کارکن محمد ہلال اور محمد مظہر نے شمال مشرقی ضلع کے ایجوکیشن ڈائرکٹر آر این شرما سے ملاقات کی اور صورت حال سے آگاہ کرایا اور دوران گفتگو ان سے کہا کہ اردو میڈیم کے طلبہ سے اردو زبان کے پرچے میں ہی امتحان لیا جائے۔ انھوں نے یہ بھی جانکاری دی کہ اسکول کے پرنسپل تعصب سے کام لیتے ہوئے اردو زبان کا پرچہ دینے سے انکار کر رہے ہیں۔ آر این شرما نے ان کی تمام باتوں کو سن کر اس بات کی یقین دہانی کرائی ہے کہ اردو زبان میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کا امتحان اردو زبان میں ہی لینے کا انتظام کیا جائے گا۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

ڈی یو کے ہر کالج میں اب اردو کی تعلیم ممکن

پرو وائس چانسلر پروفیسر وویک سنبھا کی یقین دہانی

نئی دہلی (۲۳ فروری)۔ دہلی یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر پروفیسر وویک سنبھا نے بتایا کہ ڈی یو انتظامیہ نے دہلی یونیورسٹی میں اگلے تعلیمی سال ۲۰۱۳-۱۴ء سے اپنے ہر کالج میں ایسا نظم کیا ہے جس سے کہ ہر کالج میں اردو پڑھانے کا سلسلہ شروع ہوسکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو ایک ایسی دلکش، شیریں اور پُراثر زبان ہے جس کی طرف ہر شخص دل سے کھنچا چلا آتا ہے۔ ڈی یو کے پرو وائس چانسلر وویک سنبھا نے اس بات پر حیرانی کا اظہار کیا کہ وہ دہلی والے ہوتے ہوئے بھی اردو نہیں جانتے جب کہ ان کے والد اردو فارسی کے دانشور تھے۔ وویک سنبھا نے کہا کہ اردو کے فروغ کے لیے کوششیں جاری ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اردو ہندستان کی مشترکہ گنگا جمنی تہذیب کی علامت ہے اور اس کی ترقی کے لیے اقدامات کیے جانے چاہئیں۔ وویک سنبھا نے اردو سے اپنی محبت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اردو کا زوال پذیر ہونا باعث تشویش اور باعث شرم ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان محض ایک زبان نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیب ہے۔ یہ زبان نہ صرف ہندستان کی مشترکہ گنگا جمنی تہذیب و تمدن کی عکاسی کرتی ہے بلکہ اس کی ترجمان بھی ہے۔ پروفیسر وویک سنبھا نے کہا کہ گاندھی جی جب بھی ہندستانی زبان کا ذکر کرتے تھے تو اس سے اُن کی مراد اردو ہی ہوتی تھی۔ ہندستانی کی آتما دراصل اردو میں بستی ہے۔ انھوں نے کہا کہ دہلی یونیورسٹی نے ایم اے کے طلبہ کے لیے انٹر ڈسپلنری کورس کا سلسلہ بھی شروع کیا ہے اور دہلی یونیورسٹی کے ہر کالج میں اردو تعلیم کا انتظام کرنے کی بھی تیاری کر رہی ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

مشتاق اعظمی کو مغربی بنگال اردو اکاڈمی کا پرویز شاہدی ایوارڈ اور 'نارسیدہ' کی رسم رونمائی

کلکتہ (۲۷ جنوری/پریس ریلیز)۔ معروف افسانہ نگار اور معلم ڈاکٹر مشتاق اعظمی کو ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں مغربی بنگال اردو اکاڈمی نے اس بار پرویز شاہدی ایوارڈ (برائے ۲۰۰۹ء) سے نوازا ہے۔ یہ ایوارڈ تین ہزار روپے کے چیک، ایک شال، توصیف نامے اور مومنٹو پر مشتمل ہے۔ مزید برآں ادب اطفال کے تحت ان کی کتاب 'کھلونا اور دوسری کہانیاں' کو چار ہزار روپے کا انعام دیا گیا ہے۔ اگلی صبح مشتاق اعظمی کے افسانوں کے نئے مجموعے 'نارسیدہ' کی تقریب رونمائی مسلم انسٹی ٹیوٹ میں صدر جلسہ جناب قیصر شمیم کے ہاتھوں سے انجام پائی۔ اظہار خیال کرنے والوں میں انیس رفیع، فیروز عابد، سجاد نظر، مشتاق انجم، کریم رضا مونگیری، عاصم شہنواز شبلی، عقیل احمد عقیل اور نسیم فائق کے نام قابل ذکر ہیں۔ اسی شام مغربی بنگال کتاب میلے میں مشتاق اعظمی کی کتاب 'نارسیدہ' کو روزنامہ 'اخبار مشرق' کی جانب سے ڈھائی ہزار روپے، ایک دیوار گھڑی اور توصیفی سند سے سرفراز کیا گیا۔

***

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے
دو کتابوں کا
آنا ضروری ہے

نام کتاب : کتاب شماری
مصنف : پروفیسر مظفر حنفی
اشاعت : ۲۰۱۲ء
ضخامت : ۲۲۲ صفحات
قیمت : ۳۰۰ روپے
ملنے کا پتہ : موڈرن پبلشنگ ہاؤس
۹- گولا مارکیٹ، دریا گنج
نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
تبصرہ نگار : ڈاکٹر سید معصوم رضا عشروی

اردو میں حوالہ جاتی کتابوں کی کمی کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب ہم کسی موضوع پر تحقیقی مقالے کی تیاری میں ہوتے ہیں۔ موضوع سے متعلق کتابوں کے لیے مختلف لائبریریوں کے چکر لگانے پڑتے ہیں اور زیادہ تر اردو سیکشن کی کتابوں کے بارے میں یہ سننے کو ملتا ہے کہ ابھی از سر نو ترتیب جاری ہے اس لیے خالی ہاتھ ہی لوٹنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر کسی ریسرچ اسکالر کو کوئی ایسی کتاب مل جائے جس میں تقریباً ۱۵ سال میں شائع ہونے والی اردو زبان کی ہر صنف کی تمام کتابوں کا ذکر موجود ہو تو بلاشبہ یہ ایک بہترین تحفے سے کم نہ ہوگا۔ "کتاب شماری" پروفیسر مظفر حنفی کی ایک ایسی ہی کتاب ہے جس میں انھوں نے ۱۹۷۶ء سے لے کر ۱۹۹۹ء تک کی مطبوعہ کتب کا سال بہ سال جائزہ پیش کیا ہے جس میں پہلی سے لے کر سولہویں فصل کے ذیلی عنوانات کے تحت منقسم کیا گیا ہے۔ پہلی فصل میں مطبوعہ کتب کا سال بہ سال جائزہ پیش کیا گیا ہے جس میں اس کتاب میں استعمال ہونے والی تکنیک کا ذکر ہے جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے پورے سال کی شائع شدہ کتابوں کی فہرست مع مصنف کے نام کی سلسلہ وار موجود ہے۔ تجزیہ و نتائج کے عنوان سے کل شائع شدہ کتابوں کا ذکر ہے اور اس کی وضاحتی تفصیل بھی موضوع کے اعتبار سے پیش کی گئی ہے۔ آخر میں نقشے کے طور پر چند نکات پیش کیے گئے ہیں۔ دوسری فصل میں ادبی تحقیق و تنقید کے موضوع پر شائع شدہ کتابوں کی تفصیل پیش کی گئی ہے جب کہ تیسری فصل میں شاعری، چوتھی فصل میں ناول اور داستان، پانچویں فصل میں افسانہ اور لوک کہانی، چھٹی فصل میں انشائیہ، مضمون، خاکہ اور طنز و مزاح سے متعلق کتابیں شامل ہیں۔ ساتویں فصل میں ڈراما، آٹھویں فصل میں سوانح عمری، آپ بیتی اور شخصی خاکے کا ذکر ہے۔ نویں فصل میں سفرنامے اور مکتوبات کا ذکر ہے۔ دسویں فصل میں زبان، گیارہویں فصل میں سماجی علوم، تہذیب اور سیاست، بارہویں فصل میں تعلیم، تیرہویں فصل میں سائنسی علوم اور طب، چودہویں فصل میں مذہبیات، پندرہویں فصل میں ادب اطفال اور دینیات اور سولہویں فصل میں صنعت و حرفت اور متفرقات کے عنوان سے لکھی گئی کتابوں کا ذکر موجود ہے۔ بیسویں صدی کے آخری ربع میں شائع شدہ کتابوں کی اچھی خاصی تعداد کا اشاریہ اس کتاب میں موجود ہے جس میں تمام عنوانات اور مصنف کے تحت شائع شدہ کتابوں کا احاطہ کیا گیا ہے لیکن حتمی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ تمام کتابوں کا احاطہ ہے لیکن قدرے بہتر ہے اور اس میں ان تمام کتابوں کا ذکر موجود ہے جن کا ذکر اس زمانے کے رسالے، اخبارات اور دیگر ذرائع و رسائل میں موجود تھا لیکن یہ ایک اچھی کوشش ہے کہ اس کو یکجا کر کے کتاب شماری کے نام سے پیش کر دیا گیا ہے۔ بظاہر تو یہ کام صرف کتاب شماری کا ہی لگتا ہے لیکن یہ کسی تحقیق سے زیادہ دشوار کن اور صبر و تحمل کا ہے۔ مسلسل پچیس سال تک کی تحقیق و تدوین کے بعد یہ کتاب منظر عام پر آئی جسے ریسرچ اسکالر کی امدادی کتب کا درجہ حاصل ہے۔ کتاب اپنے باطنی حسن سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن سے بھی آراستہ ہے۔ اس کی طباعت دیدہ زیب ہے۔ امید کہ اردو کے اسکالر اس سے مستفیض ہوں گے اور ادبی حلقے میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی کی جائے گی۔

○○○

نام کتاب : شکل و محاوراتی رباعیات کندن
مصنف : کندن لال کندن
اشاعت : ۲۰۱۲ء
ضخامت : ۱۳۶ صفحات
قیمت : ۲۰۰ روپے
ملنے کا پتہ : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار جامع مسجد، دہلی-۱۱۰۰۰۶
تبصرہ نگار : آر. پی. شرما مہرشی

ماہر عروض اور استاد شاعر جناب کندن لال کندن کی ایک تازہ عصری پیش کش "شکل و محاوراتی رباعیات کندن" شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے۔ ان کی یہ رباعیات 54 آہنگوں پر مشتمل ہیں۔ اس سے قبل ۲۰۰۳ء میں بھی 54 آہنگوں پر مشتمل رباعیات کندن شائع ہو چکی ہے جس پر مغربی بنگال اردو اکادمی نے انھیں انعام سے نوازا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اس نام کی ایک اور تصنیف ہندی میں بھی شائع ہوئی تھی۔ ان کی منصہ پہ تازہ ترین پیش کش کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں مثال اور محاوروں کا استعمال کیا گیا ہے:

کیا محاوروں کی خوش بہار چھائی ہے
عمدہ مضامین کی باڑھ آئی ہے
شکل روز مرہ یہ کہاوتیں مقولے
بس کہ ہر رباعی اس میں نہائی ہے

اسے کرشمہ ہی کہیں گے کہ شکل یا محاورات 54 اوزان رباعی میں سے کسی ایک وزن کا حصہ ہے تو کہیں پورا ایک وزن ہی بن جاتا ہے:

ننگے کا کھائے لوٹے کا مت کھائے
بے غیرت کا کھائے عزت رہ جائے
'حد میں روٹی سر پہ جوتی' سے بچو
کم ظرفوں کا کھائے تو عزت جائے

اور ساتھ ہی اس میں شاعر کا عکس بھی کھپ جاتا ہے:

'ہو صد پہ کچھ بیٹھ پہ کچھ' جو کندن
اس کو سمجھو اپنی جاں کا دشمن
رکھنا نہ کبھی تم ایسے سے ملنے
موقع ملتے ہی پکڑے گا گردن

کندن صاحب نے زیر نظر مجموعے کے آخر میں 129 تا 135 صفحات پر 54 اوزان رباعی کا گوشوارہ بھی دیا ہے اور اپنی رباعیات کے ہر مصرعے کے آگے وزن (آہنگ) کا نمبر بھی لکھ دیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ کندن صاحب نے بطور خاص ڈاکٹر زار علامی کے اٹھارہ آہنگوں میں رباعیاں تخلیق کی ہیں جو فاعلن سے شروع ہوتی ہے، مثلاً:

اک گھڑی بھی اپنی کب غم سے کٹی
فاعلن مفاعیلن فاعلن فعل
ہچکیاں دکھ 'دے' بیچی ہے زندگی
فاعلن مفاعیلن فاعلن فعل
اے خدا ہماری اب آس تجھ سے ہے
فاعلن مفاعیلن فاعلن فعل
ہے ابھی اندھیرا ہو روشنی کبھی
فاعلن مفاعیلن فاعلن فعل

کندن صاحب رودکی، تحر عشق آبادی اور ڈاکٹر زار علامی سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر شریف احمد (سابق استاد دلی یونیورسٹی):

"زیر نظر مجموعہ رباعیات سے ان کی (کندن کی) پختگی کا تازہ ثبوت مگر ایک خاص التزام کے ساتھ، یہ کہ ہر رباعی کسی ضرب المثل یا محاورے کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ عمداً اور قصداً کسی مثل یا محاورے پر مبنی شعر (یا رباعی) کو بنیاد بنانا کاریگری یا صناعی تو ہوسکتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ شعریت کا تحمل بھی ہو سکے۔ قصد اور ارادہ اکثر و بیشتر برجستگی، بے تکلفی، اثر، تازگی اور لطافت کا خاتمہ کر دیتا ہے اور کندن اس خطرے سے باخبر ہیں۔ انھیں اپنے پر اعتماد ہے اور اس اعتماد کا نتیجہ یہ مجموعہ رباعیات ہے۔ اس التزام اور اہتمام میں ایک قابل ذکر نکتہ یہ بھی ہے کہ کندن نے اردو کے دو ماہرین عروض تحر عشق آبادی اور ڈاکٹر زار علامی سے گہرا اثر قبول کیا ہے (اس اثر میں رودکی جیسا شاعر بھی شامل ہے) اور یوں دو سے چار آہنگ تک رکھنے والی رباعیاں کہی ہیں"۔

'بنات' ہریانہ اردو اکادمی کے زار علامی نمبر میں صفحہ 15 پر ڈاکٹر کمار پانی پتی رقم طراز ہیں:

"رباعی کے وہ اوزان جو اساتذہ نے کام کر کے ہی گنتی میں بھی چوبیس ہوا کرتے تھے۔ بعد میں علام تحر عشق آبادی نے بارہ اوزان اور بڑھا کر ان کی گنتی چھتیس (36) کردی اور یہ زار کی محنت کا نتیجہ ہے کہ رباعی آج چون (54) مختلف اوزان میں کہی جاسکتی ہے اور اب مزید اوزان کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ زار کی رباعیات اکثر دوسرے شعرا کی طرح کسی خاص ایک آدھ وزن میں نہیں کہی گئیں۔ اوزان کی رقاصائیں ان کی رباعیات میں کچھ اس طرح جلوہ رقص فرماتی ہوئی نظر آتی ہیں کہ اکثر اوقات عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ لفظوں اور محاوروں کو اپنی رباعیات میں استعمال کرنے میں اس بات کا وہ بے حد خیال رکھتے ہیں کہ محاورہ محض ذہنی قلابازی بن کر نہ رہ جائے۔ انھوں نے محاوروں کے استعمال میں وہ بات پیدا کی ہے جو ان محاورات کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتی، مثلاً:

دشوار کو آسان بنانا مشکل
مفلس کو سلیمان بنانا مشکل
جاہل کو عالم بھی تو آسان رہے
'حیوان کو انسان بنانا مشکل'

ڈاکٹر زار علامی نے اپنی تالیف 'مجموعہ عروض' (ایڈیشن سوم، ۱۹۹۳ء) کے صفحہ 240 پر 54 اوزان رباعی کی تعداد پر نوٹ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اب رباعی کے اوزان میں کسی قسم کے اضافے کی کوئی گنجائش نہیں"۔

جب کہ نجم الغنی کی 'بحر الفصاحت' میں رباعی کے وزن کی تعداد 82944 لکھا ہے اور ڈاکٹر عنوان چشتی نے اپنی تصنیف 'عروضی مسائل' میں ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار چار سو سولہ ہونے کا ذکر کیا ہے جو قابل تسلیم نہیں البتہ یہ رباعیوں کی ان گنت صورتیں ہو سکتی ہیں۔

کندن صاحب نے زار صاحب کے کام کو آگے بڑھایا ہے اور اس طرح انھیں بہت ہی مناسب خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر کمار پانی پتی کے مندرجہ بالا اقتباس میں کہا گیا ہے "یہ اوزان رباعی رقاصائیں ہیں" جنھیں کندن صاحب نے چون آہنگوں کا نام دیا ہے اور انھیں اپنی رباعیات میں اس طرح برتا ہے جس طرح زار صاحب نے۔ کہیں دو، کہیں تین، کہیں چار آہنگ۔ ان میں شکل و محاورات کا انھوں نے برجستہ استعمال کیا ہے۔ ان کو کہیں بھی عقل ذہنی قلابازی نہیں بننے دیا۔ 54 آہنگوں میں اس افراط سے رباعیاں تخلیق کرنا ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے کمال کا کارنامہ کر دکھایا ہے۔ بقول ڈاکٹر عراق رضا زیدی: "ایک نے اور کامیاب تجربے کے طور پر کندن نے چند رباعیاں رودکی، علام اور زار علامی کے ایجاد کردہ اوزان میں ایک ساتھ کہی ہیں۔ یہ کام خود علام اور زار علامی نے بھی نہیں کیا تھا جس کے لیے کندن لال کندن مبارک باد کے مستحق ہیں"۔

امید ہے کہ یہ مجموعہ رباعی نگاروں کے لیے ایک مکمل تجربہ ہوگا اور Text Book کی طرح پڑھا جائے گا۔

○○○

بقیہ: کیا نقاد ادب کا غیر اہم آدمی ہے؟

صفحہ ۸ سے آگے

ہوتا ہے اور خیال، احساس اور صورت حال اپنا اسلوب پیدا کرتی ہے۔

لیکن ڈسکورس جہاں تنقید کو ایک علمی وقار بخشتی ہے وہیں تھیوکریسی کی آمریت اور جبریت بھی قائم کرتی ہے۔ وہی چند لوگ ادب کے پارکھ بنتے ہیں اور انھی کی ڈکٹیٹر شپ قائم ہوتی ہے جو شعر کے پرے کرنا چاہتے ہیں۔ شعر پھر مدرسے میں داخل ہوتا ہے اور تنقید مدرسانہ بنتی ہے۔ ایسی گھٹن آلود فضا سے گھبرا کر آدمی پھر آرٹ کی جادوگری میں پہنچنا چاہتا ہے جہاں وہ چشم حیرت سے ایک بچے کی مانند تخیل کی نیرنگیوں کا مشاہدہ کرسکے۔ لیکن اسلوبیات کا اگلا قدم جو ساختیات میں پڑتا ہے وہاں تو عام قاری، عقل عامہ اور معصوم قاری کا کوئی وجود ہی نہیں۔ وہاں تو ادب کا قاری وہی تھیوکریٹ ہے جس نے تعبیر و تفسیر معانی کے جملہ حقوق اپنے نام لکھوا لیے ہیں۔

چناں چہ آج تنقید اپنی اس کوشش میں کامیاب ہے کہ وہ ادب کا ایک طاقت ور ادارہ بن جائے۔ آج کے نقاد کے کریڈٹ کے سامنے تو شاعر اور افسانہ نگار بے ضبطوں کا ٹولا لگتے ہیں۔ غیر اہم کی کیا بات نقاد تو آج ادب کا سب سے اہم آدمی ہے۔ یہ پھر اکادمی کی آرٹ پر، علم کی تشکیل پر، آئیڈیولوجی کی تخلیق پر اور اسٹیبلشمنٹ کی بھرپور فتح ہے۔ اور دل چسپ بات یہ ہے کہ اس فتح کا سہرا ان نقادوں کے سر ہے جنھوں نے آئیڈیولوجی اور اسٹیبلشمنٹ کے خلاف بغاوت کی بنیاد رکھنے والی جدیدیت کی تحریک کی علمبرداری کی تھی۔ یہ بالکل عید قرباں والا معاملہ ہے کہ وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا۔

◆◆◆◆◆

بقیہ صفحہ ۴ سے آگے

تعصب اور ناانصافی سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ اس کے ساتھ سی بی ایس ای کے چیئرمین کو برخاست کرنے کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔

اردو اکادمی کے وائس چیئرمین پروفیسر اختر الواسع نے بی ایس اے کے امتحان میں اردو میڈیم کے طلبہ کے لیے اردو میں پرچہ تیار نہ کرائے جانے کو ایک منصوبہ بند سازش قرار دیتے ہوئے سی بی ایس ای کے چیئرمین ونیت جوشی کو برخاست کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ پروفیسر واسع نے کہا کہ کپل سبل کے وزارت فروغ انسانی وسائل سے جاتے ہی شعبۂ تعلیم کے افسران اردو کے تئیں معاندانہ رویے پر واپس آگئے ہیں۔ انھوں نے سی بی ایس ای کے اس جانبدارانہ رویے پر شدید برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اردو والے بھی اس ملک کے شہری ہیں۔ اردو زبان آٹھویں شیڈول میں شامل ہے اور یہ دلی کی دوسری سرکاری زبان ہے۔

جامع مسجد گرلز سینئر سیکنڈری اسکول کی پرنسپل ڈاکٹر شبانہ نذیر نے روزنامہ راشٹریہ سہارا سے بات کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے ایک ہفتہ قبل ہی اپنے ہیڈ کوارٹر میں اس بات سے آگاہ کردیا تھا کہ اردو کا سوال نامہ نہیں آرہا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ میں نے ڈپٹی ڈائرکٹر ایجوکیشن اسکول برانچ کو بھی مطلع کیا تھا لیکن یہ کہہ کر ٹال دیا گیا کہ ہندی تو سب بچے پڑھتے ہیں، وہ ہندی کے پرچے سے حل کرلیں گے لیکن کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ شبانہ نذیر نے کہا کہ سی بی ایس ای جس طرح دوسری زبانوں میں پرچے کا ترجمہ کراتی ہے ویسے ہی اردو میں بھی کرانا چاہیے۔

ذاکر حسین میموریل سینئر سیکنڈری اسکول کے پرنسپل ڈاکٹر محمد معروف کا کہنا ہے کہ ایک ہفتہ قبل انھوں نے پہلے میل اور پھر خط بھیج کر سی بی ایس ای کو لکھا تھا کہ اردو میڈیم کے طلبہ کے لیے اردو میں سوال نامہ بھیجا جائے۔ اس کے بعد صرف ایک دن پہلے یعنی ۱۵ فروری کو سی بی ایس ای سے اسکول میں فون کیا گیا کہ سوال نامے کا ترجمہ کرلیں۔ گورنمنٹ بوائز سرودیہ ودیالیہ چوڑی ہاؤس کے پرنسپل جمیل احمد نے کہا کہ یہ تو اردو میڈیم کے طلبہ کے ساتھ کھلی ناانصافی اور زیادتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ جب انھیں ہندی کی اصطلاحات ہی پتا نہیں تو پھر وہ پیپر کو کیسے حل کرسکتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ اردو میڈیم کا بچہ نہیں جانتا کہ 'ترجیح' کیا ہے یا 'پھر' سانکرتا کیا ہے۔ اینگلو عربک سینئر سیکنڈری اسکول کے پرنسپل محمد وسیم احمد نے کہا کہ سی بی ایس ای کو اردو میڈیم کے طلبہ کے لیے اردو میں ہی پرچہ تیار کرنا چاہیے۔ دریں اثنا دلی اردو موومنٹ کے جنرل سکریٹری فرید احمد نے بتایا کہ انھوں نے آج اس سلسلے میں دلی کی وزیر اعلا شیلا دکشت، وزیر تعلیم پروفیسر کرن والیہ اور سی بی ایس ای کے چیئرمین ونیت جوشی کو خط بھیج کر اردو میں سوال نامہ نہ دیے جانے کی سخت مذمت کی ہے اور اسے اردو دشمنی سے تعبیر کرتے ہوئے اس پورے معاملے کی تفتیش کرانے کا مطالبہ کیا ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

تیسری اور آخری قسط

کیا نقّاد ادب کا غیر اہم آدمی ہے؟

وارث علوی (سید واڑہ، استوڈیا، احمد آباد 380002)

کچھ دار نقاد وہ ہے کہ اگر اسے کسی علم میں مہارت ہے تو وہ اس مہارت کا استعمال تنقید کو وسعت اور گہرائی عطا کرنے میں کرے گا، نہ کہ اپنی اس مہارت کو واحد یا حتمی یا مطلق طریقۂ کار کے طور پر پیش کرے گا۔ لسانیاتی اور صوتیاتی تنقید کے خلاف جو ہمارے یہاں بعض حلقوں میں شدید ردِعمل پیدا ہوا وہ اسی سبب سے تھا کہ اس تنقید نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ دورِ جدید میں شعریات کی بوطیقا اسی کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق متعین ہوگی اور اسی کے طریقۂ کار کے ذریعے شاعری کے جوہر تک رسائی ممکن ہوگی اور صرف اسی کا نظامِ تنقید صائب ہے باقی جو کچھ ہے نری صحافت اور غافل ہے۔ اس مقصد کے لیے جدید تنقید نے معنی، موضوع، خیال اور شعری سروکار کو پایۂ اعتبار سے خارج کیا اور الفاظ اور اصوات اور لفظی انسلاکات کا ایسا جھمیلا کھڑا کیا گویا نقاد کی باطنی روحِ شاعری کا پہلا اور آخری زینہ ہے۔ ناول اور افسانہ کی تنقید میں بھی زبان اور اسلوب، استعارہ اور اسطور پر اتنا زور دیا گیا کہ کہانی، کردار، پلاٹ، واقعہ نگاری، نفسیات، سماجیات، اخلاقیات اور نقطۂ نظر کو موضوعِ بحث بنانے والا نقاد خود کو دقیانوس کے زمانے کا سمجھنے لگا۔ ان لوگوں کا خیال یہ تھا کہ ہزاروں سال سے تنقید شاعری کے جس راز کو پانے میں کوشاں تھی، گویا وہ اب ان کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ چناں چہ ان کے بعد کوئی یہ سوال نہیں پوچھے گا کہ شاعری اپنا جادو کیسے پیدا کرتی ہے۔ اس کا جواب ہے الفاظ کے ذریعے، اصوات کے ذریعے، لفظوں کے انسلاکات کے ذریعے۔ کاش ایسا ہوتا، لیکن جیسا کہ گیان چند نے اپنے نہایت ہی بصیرت افروز مضامین میں مسعود حسین خاں سے اختلاف کرتے ہوئے بتایا ہے کہ شاعری میں جن حروف سے خفت اور گھمبیر آہنگ پیدا کیا جاتا ہے، انھی سے نرم اور سبک آہنگ بھی پیدا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اصوات کی بنا پر ایسے کوئی اٹل اصول نہیں بنائے جاسکتے جن کی بنا پر حسنِ شعر کا حتمی حکم لگایا جاسکے۔ اگر صوتیاتی تنقید اپنا دائرہ، آہنگِ شعر کے مطالعے تک محدود رکھتی تو کوئی مضائقہ نہیں تھا، لیکن جب وہ اپنے طریقۂ کار کے متعلق یہ دعویٰ کرنے لگی کہ اس کے ذریعے اور صرف اسی کے ذریعے حسنِ شعر کے سربستہ راز کو کھولا جاسکتا ہے تو اس سے رنجش اس سبب سے پیدا ہوئی کہ بے شک آہنگ شعری سحر آفرینی کے ہم قائل تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ فن پارہ آوازوں کا التزام نہیں ہے بلکہ معنوی حسن بھی رکھتا ہے، کسی پہلودار خیال کا اظہار بھی ہے، کسی پیچیدہ تجربے کا بیان بھی ہے، استعاروں کی تخلیق گری، علامتوں کی ذہن رسائی اور تصویروں کا نگارخانہ بھی ہے۔ چناں چہ صوتیاتی تنقید کے چارٹ وہ اسمِ اعظم نہ بن سکے جو شعری طلسمات کا راز پاسکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فنِ شاعری میں جو چیز سائنس کے قریب تھی وہ اس کا عروضی نظام تھا۔ لفظ چوں کہ محض آواز نہیں بلکہ معنیاتی تعلیقات کا حامل بھی ہے اس لیے الفاظ کی صوتیات کی بنا پر شعر کے آہنگ کا مطالعہ سائنسی قطعیت کے ساتھ ممکن نہیں۔ معنی کی غیر قطعیت نے جو ساختیات میں دال اور مدلول کے تصورات کی صورت میں سامنے آئے، تنقید میں کسی چیز کو ثابت کرنا ممکن نہیں۔ تحسین و تفہیم کا پورا تعلق ذوقِ لطیف سے ہے۔ تنقید کے پاس ایسی کوئی کسوٹی نہیں جس پر کھرے کھوٹے کی پرکھ ہوجائے۔ اسی لیے تنقید رائے دے سکتی ہے، اس پر اصرار نہیں کرسکتی اور نہ ہی اسے حتمی فیصلے میں بدل سکتی ہے۔ تنقید کی سائنسی قطعیت پانے کی تمام کوششیں لاحاصل ثابت ہوئی ہیں۔ آرٹ اگر اعجاز ہے تو تجزیے کا مکینزم نہیں ہوتا۔ آرٹ کی صنعت گری کے تجزیے کے ذریعے اس کا حسن پانے کی کوشش بالآخر تھکا دینے والی ثابت ہوتی ہے کیوں کہ کاریگری کے ٹیکنیکل بیان میں دل چسپی کا وہ عنصر نہیں ہوتا جو ادب میں منعکس زندگی، انسان اور کائنات کی بصیرت آمیز گری کرنے والی فلسفیانہ، نفسیاتی اور تہذیبی تنقید میں ہوتا ہے۔ ظاہر ہے افسانہ، ناول اور ڈرامائی تنقید شاعری کی طرح زبان و بیان کی نزاکتوں تک محدود نہیں ہوسکتی بلکہ اس کے دائرے میں بے شمار ایسے مسائل آتے ہیں، جن کی تفہیم کے لیے تاریخ، فلسفہ، نفسیات اور سماجیات کا علم بھی ضروری ہے۔ مشرقی تنقید کی پوری روایت زبان و بیان کی خوبیوں اور نزاکتوں تک محدود رہی جب کہ مغربی تنقید میں زبان کی گرفت یا اس کی تحسین کبھی تنقید کا غالب رجحان نہیں رہی۔ مغرب کے اثرات کے سبب ہندوستان کی علاقائی زبانوں میں تنقید کا دامن زبان و بیان تک محدود نہیں رہا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ تنقید نے جو وسعت حالی اور حالی کے بعد ترقی پسند تحریک، احتشام حسین، آلِ احمد سرور، عسکری اور سلیم احمد کے ذریعے پائی تھی وہ جدیدیت کے علمبردار نقادوں کے ہاتھوں بہت سمٹ کر زبان کے دائرے تک محدود ہوگئی۔ جدیدیت کا پورا میلان ہیئتی تنقید کی طرف تھا، جو نظم اور افسانے کے فارم کے جزرس مطالعے کے ذریعے معنی تک پہنچنے کا تھا۔ ظاہر ہے فارم اپنے دامن میں زبان، اسلوب اور آہنگ کو بھی لیے ہوتا ہے۔ متن کا مطالعہ اس مواد کا مطالعہ بھی ہے جو نظم اور افسانے کے پیچیدہ اسٹرکچر کے ذریعے ایک صورت اختیار کرتا ہے۔ تکنیک کا مطالعہ اس طریقۂ کار کا مطالعہ ہے، جس کے ذریعے مواد نظم یا افسانے کے فارم میں ڈھلتا ہے۔

ہیئتی تنقید اس معنی میں فن کے تمام لوازمات کو دسترس میں لے کر موضوع، مواد اور خیال کی فلسفیانہ، نفسیاتی اور سماجی معنویت تک پہنچتی ہے۔ اگر افسانہ، ناول یا ڈرامے کا فارم ہی ٹھیک نہیں، اگر نگار ان متضاد کے باطنی رشتوں کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا، اگر وہ کردار کے تنوع کو ابھار نہیں سکتا، واقعہ نگاری میں ممکنات کا خیال نہیں رکھتا، پلاٹ میں حادثات کو ضرورت سے زیادہ راہ دیتا ہے، اظہار بیان میں جذباتیت، رقت انگیزی اور رومانیت کا شکار ہوجاتا ہے تو ظاہر ہے موضوع کی سماجی افادیت اور معنویت دلوں کو گرفت میں لے سکے گی۔ لہٰذا ہیئتی تنقید کے متعلق پھیلائی گئی یہ غلط فہمی کہ اس کا سروکار صرف ہیئت سے ہوتا ہے لاعلمی پر مبنی ہے۔ ہاں اس تنقید کا سماجی ڈسکورس قائم نہیں ہوتا جو زبان و بیان کی خوبیوں یا محض اسلوبیات یا صوتیات سے تعلق رکھتی ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ان اسالیبِ نظر کے دلدادہ وہی لوگ رہے ہیں جو ہیئتی تنقید کو آج ہدفِ ملامت بنائے ہوئے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ لوگ خود اپنی ہی اسپیشلائز کی حدود سے واقف ہوچکے ہیں۔ وہ جان چکے ہیں کہ زبان اور بیان اور اسلوب کا مطالعہ اور عروض و اصوات کے مطالعے ہی کی مانند اپنی حدود، اپنی گھٹن اور اپنی اکتاہٹ رکھتا ہے۔ یہ تنقید ماہرانہ اور کارآمد ہونے کے باوصف اس تنقید کی بصیرت اور عظمت اور کشادگی کو نہیں پہنچ سکتی جو فن پارے کا کلی حیثیت سے مطالعہ کرتی ہے۔ آپ کسی بھی کتب خانے میں چلے جائیے، جین آسٹن کے اسلوب پر پانچ دس کتابیں تو آسانی سے مل جائیں گی کیوں کہ وہ بڑی صاحبِ اسلوب ناول نگار ہے، لیکن ان کتابوں کا پڑھنا ایک عذاب مول لینا ہے۔ وہی اسلوب جو ناول میں جادو جگاتا ہے یہاں اقتباسات کے ٹکڑوں میں قصاب کے بغدے سے لہولہان پڑا ہے۔ اس کے برعکس ایک معمولی سا مضمون جو یہ بتاتا ہے کہ جین آسٹن کے کردار جو بظاہر سیدھی سادی گھریلو لڑکیاں ہیں کس قدر پیچیدہ اور منفرد شخصیت کی حامل ہیں، ہمارے لیے بصیرت کا ایک کوندا ثابت ہوتا ہے۔ خاطرنشان رہے کہ ایسے مضامین کردار نگاری میں جین آسٹن کی زبان، لفظوں کے انتخاب اور اسلوب کی چوکسائی کو حساب میں رکھتے ہیں۔ تنقید میں اسلوبیاتی طریقۂ کار ثمرآور اسی وقت بنتا ہے جب وہ معنی، موضوع اور مواد کے حوالے سے بات کرتا ہے کیوں کہ اسلوب معنی سے جدا

(بقیہ صفحہ پر)

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: ثمر آفسیٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ): دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکی ڈالر)
Phones: 23237210, 23236299, Fax: 011-23236299
E-mail: hamarizaban@anjumantaraqqiurduhind.org
http://www.anjumantaraqqiurduhind.org